دارالافتاء:

مولانا مفتی مختار اللہ حقانی
مفتی واستاذ شعبہ تخصص، جامعہ حقانیہ

مخالف مسلک کے امام کی اقتداء میں نماز کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از: مرغوب احمد لاجپوری، ایشفیلڈ انگلینڈ

محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی مختار اللہ صاحب حقانی دامت برکاتہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ میں الحمدللہ آنجناب کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خیریت سے ہوں اور آپ کی خیر وعافیت کا طالب ہوں۔

نماز میں مخالف مسلک امام کی اقتداء کا کیا حکم ہے؟ آیا بلا کسی شرط کے ان کی اقتداء صحیح ہے؟ یا بشرائط صحیح ہے؟ اس بارے میں علماء کا رجحان دونوں طرف معلوم ہوتا ہے۔ علامہ شامی، صاحب بحرالرائق، ملاعلی قاریؒ اور اکابر دیوبند کے اکثر فتاویٰ میں کچھ شرائط کے ساتھ اقتداء کو جائز کہا ہے۔ دوسری طرف حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ اور بعض اکابر کے فتاویٰ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرات بلا کسی شرط کے جواز کے قائل ہیں۔

جو حضرات بلا کسی شرط کے اقتداء کو درست مانتے ہیں، ان حضرات کے فتاویٰ کے حوالہ جات یہ ہیں: فتاویٰ دارالعلوم مدلل مکمل ص ۲۲۳ ج ۳، سوال نمبر ۹۲۶، فتاویٰ دارالعلوم مدلل مکمل ص ۲۲۳ ج ۳، سوال نمبر ۹۲۶، مجموعۃ الفتاوی ص ۳۹۵ ج ۱، کفایت المفتی ص ۹۲ ج ۲، جواب نمبر ۱۰۲، فتاوی مفتی محمود ص ۲۱۴ ج ۲، فتاویٰ حقانیہ ص ۲۴۲، فتاویٰ امارت شرعیہ ص ۱۵۴ ج ۲۔

اگر شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو لاکھوں احناف اور شافعی ومالکی کی اقتداء حرمین شریفین کے ائمہ (جن کے متعلق حنبلی ہونے کا گمان ہے) کے پیچھے بکراہت تنزیہی ادا ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فقہاء نے یہ تفصیل لکھی ہے کہ اگر امام فرائض مذہب مقتدی کی رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء بلا کراہت درست ہے اور اگر فرائض مذہب مقتدی کی رعایت نہیں کرتا تو اقتداء درست نہیں ہے اور اگر واجبات وسنن میں رعایت نہیں کرتا تو مکروہ ہے اسی طرح اگر شک ہے کہ رعایت کرتا ہے یا نہیں کرتا تو مکروہ ہے۔ حتی کہ یہاں تک لکھا کہ اگر وہ سنن میں رعایت نہیں کرتا یا وہ چیزیں کرتا ہے جو مقتدی کے نزدیک مکروہ ہیں اور اس کے نزدیک سنت ہے، مثلاً انتقالات ارکان میں رفع یدین کرنا یا نہ کرنا اور بسم اللہ میں جہر کرنا یا اخفا کرنا وغیرہ تو اسمیں کراہت تنزیہہ ہے۔ (عمدۃ الفقہ ص ۱۹۹ ج ۲)

اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہے کہ اتنی مخالف مسلک کی رعایت کہاں اور کون کرتا ہے؟ (ہاں اگر کوئی مخلص چاہے تو کرسکتا ہے اور کرنی بھی چاہئے کہ خروج عن الخلاف تمام ائمہ کے نزدیک ادب ہے) اور قرائن سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رعایت نہیں کی جاتی۔ جیسے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر عورت جماعت میں شریک ہو تو ضروری ہے کہ امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو، مگر حرمین شریفین میں امام عورت کی امامت کی نیت نہیں کرتے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ: ''عرصہ ہوا امام حرم سے دریافت کیا گیا تھا، انہوں نے بتایا تھا کہ ہم عورت کی امامت کی نیت نہیں کرتے ہیں'' (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۸۲ ج ۱۶)

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حرمین شریفین کے امام امامتِ نساء کی نیت نہیں کرتے، مزید تثبت کے لئے بندہ نے اس بارے میں شیخ عبدالعزیز بن باز سے استفتاء کیا، انہوں نے جواب میں صراحۃً تحریر فرمایا ہے کہ ان کے ہاں نیت امامت نساء ضروری نہیں (پھر حضرت شیخ بن باز کا وہ فتویٰ نقل کیا ہے) اب یہ امر بلاشبہ محقق ہوگیا کہ ائمہ حرمین شریفین عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے۔ ان کے مذہب میں نیت ضروری نہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہے بلکہ بندہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ دوسرے مذاہب کی رعایت سے متعلق کسی درخواست کی ان کے ہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی''

آگے فرماتے ہیں کہ ''اوپر کی تحریر سے ثابت کیا گیا کہ ائمہ حرمین شریفین کے ہاں امامتِ نساء کی نیت ضروری نہیں۔ اس پر کسی کو خیال ہوسکتا ہے کہ شاید وہ مذہب حنفی کی رعایت سے امامتِ نساء کی نیت کر لیتے ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت مذہب غیر کے اہتمام کی سعادت صرف حنفیہ کو حاصل ہے۔ غیر مقلدین اور ائمہ حرمین کی رعایت مذہب غیر سے بے اعتنائی بلکہ عمداً مخالفت عام مشہور و معروف ہے۔ مع ہذا دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱) ان کے مذہب میں وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا واجب نہیں، صرف افضل ہے۔ اور مذہب حنفی میں ناجائز ہے اور اس طرح وتر کا واجب ادا نہیں ہوتا، اس کا مقتضی یہ تھا کہ رمضان میں جماعت وتر میں احناف کی رعایت سے دوسری رکعت پر سلام نہ پھیریں، مگر یہ لوگ دوسری رکعت پر لازماً سلام پھیرتے ہیں۔

۲) موسم حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں امام حج قصر کرتا ہے، حالانکہ ان کے نزدیک یہاں قصر واجب نہیں سنت ہے، اور مذہب حنفی میں غیر مسافر کے لئے قصر جائز نہیں، اس کے باوجود امام قصر ہی کرتا ہے احناف کی نماز کی کوئی پرواہ نہیں۔

بندہ نے ایک بار امام الحرم ابوالسمح سے گزارش کی کہ آپ گاڑی پر بقدر مسافت سفر چکر لگا کر عرفات پہنچیں تو ہمیں بھی آپ کی اقتداء میں نماز کا شرف مل جائے، مگر وہ اس ایثار پر تیار نہ ہوئے جس میں ان کا ذرہ بھر بھی کوئی حرج نہیں تھا''

حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کے وہ دلائل جوانہوں نے اپنی رائے کی تائید میں تحریر فرمائیں ہیں کہ:

شاہ ولی اللہ صاحبؒ انصاف میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم میں مختلف مذہب کے لوگ تھے، بعض بسم اللہ نماز میں پڑھتے تھے بعض نہیں، بعض بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے بعض آہستہ آواز سے، بعض نماز فجر میں قنوت کرتے تھے بعض نہیں، بعض فصد وقے وغیرہ سے وضو کرتے تھے بعض نہیں، بعض خاص حصے کو چھونے سے وضو کرتے تھے بعض نہیں، بعض آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرتے تھے بعض نہیں، باوجود اس اختلاف کے پھر بھی ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے''

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد اور امام شافعیؒ وغیرہ، ائمہ مدینہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے جو مالکی تھی۔

ہارون رشید نے پچھنے لگوانے کے بعد بے وضو کئے ہوئے نماز پڑھائی اور امام ابو یوسفؒ نے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی اور اعادہ نہیں کیا۔

احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ اگر امام کے بدن سے خون نکلا ہو اور بے وضو کئے ہوئے نماز پڑھائے تو آپؒ اسکے پیچھے نماز پڑھیں گے یا نہیں؟ کہنے لگے: کیا میں امام مالک اور سعید بن مسیبؒ کے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا۔

''ایقاظ النیام'' میں اس مسئلے کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اسی قول کو مختار ومحقق لکھا ہے اور اسی کے موافق محققین مذاہب اربعہ سے تصریحات صریحہ نقل کی ہیں۔

بعض علماء نے مثل صاحب بحرالرائق ودرمختار وملاعلی قاریؒ وغیرہم کے اور اسی طرح بعض علماء شافعیہ نے بھی تیسرے قول (جواز اقتداء بشرطیکہ امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرے) کو اختیار کیا ہے، مگر وہ صحیح نہیں، گویا ان لوگوں کے نزدیک حق کا انحصار ایک ہی مذہب میں ہوگیا ہے، درحقیقت یہ قول بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل، اگر اس قول پر عمل کیا جائے تو آپس میں سخت افتراق پڑ جائے گا اور بڑی مشکل پیش آئے گی۔ (علم الفقہ ص ۲۴۰ حصہ دوم، جماعت کے صحیح ہونے کی شرطیں)

کیا ان دلائل کی روشنی میں ان کا رجحان زیادہ قوی معلوم نہیں ہوتا؟ اور اس نازک دور میں ان کی رائے پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ان دلائل کے جوابات کیا ہیں؟ اس صورت حال کے پیش نظر آنجناب کی خدمت میں درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام فرما کر اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں اور کوئی ایسا حل نکالیں کہ نہ صرف احناف بلکہ شوافع ومالکیہ کی نماز بھی حرمین شریفین میں بلا کراہت ادا ہو۔

مرغوب احمد لاجپوری (ایشفیلڈ انگلینڈ)

۲۱ر جمادی الآخر ۱۴۲۶ھ

بمطابق ۲۷ر جولائی ۲۰۰۵ء بروز بدھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم○

الجواب وباللہ التوفیق

مخالف مسلک امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا مسئلہ زمانہ قدیم سے معرکۃ الآراء چلا آرہا ہے اس مسئلہ کے حل کے بارے میں تقریباً چار اقوال مروی ہیں، بعض اہل علم حضرات مخالف مسلک امام کی اقتداء کو مطلقاً جائز سمجھتے ہیں جبکہ بعض ارباب فتویٰ اس کو علی الاطلاق منع کرتے ہیں۔ بعض اس کو جائز مع الکراہۃ کے قائل ہیں جبکہ بعض فقہاء کرام چند شرائط کے ہوتے ہوئے اس کو جائز کہتے ہیں۔ چونکہ مسئلہ اجتہادی ہے اس لئے ہمارے اکابر علماء کے فتاویٰ میں بھی اختلاف پیدا ہو چکا ہے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ((امداد الفتاویٰ ۱/۲۵۳) حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (امداد الاحکام ۱/۵۰۲) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (احسن الفتاویٰ ۳/۲۸۲) اور بعض دوسرے اکابر علماء اور ارباب فتویٰ آخری قول کو ترجیح دیتے ہوئے مخالف مسلک امام کی اقتداء کو مشروط بالشرائط جائز سمجھتے ہیں، مگر دوسری طرف مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ، مولانا عبدالعلی بحرالعلومؒ، خاتم المحدثین علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مفتی الہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ قائد ملت مولانا مفتی محمودؒ اور دوسرے اہل علم حضرات نے اول قول کو ترجیح دیتے ہوئے مخالف مسلک امام کی اقتداء میں نماز کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ ناچیز راقم الحروف کی ناقص رائے میں زمانہ حال کے تقاضوں، اور امت مرحومہ کی وحدت اور اجتماعیت کیلئے اول الذکر رائے قرین قیاس ہے۔

ائمہ مذاہب اربعہ کے اقوال اور ان کے عملی ثبوت سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ خاتم المحققین حضرت العلامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں قال شیخنا رحمہ اللہ والحق أنہ لاعبرۃ لرأی المأموم بل للامام حیث توارث عن السلف والقدماء کلھم الاقتداء خلف ائمۃ مخالفین لھم فی الفروع فالصحابۃ والتابعون وکذا الائمۃ المتبوعون کانوا یصلّون خلف امام واحد مع أنّھم مجتھدون واصحاب المذاھب والاراء فی الفروع مع کثیرۃ الاختلاف والتباین فی آرائھم واقوالھم ولم ینقل عن أحد منھم نکیر اوخلاف فی ذلک (معارف السنن ۱/۱۶۱)

اور یہی بات امام شاہ ولی اللہؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھی ہے: وقد کان فی الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من یقرأ البسملۃ ومنھم من لا یقرءھا ومنھم من یجھر بھا ومنھم من لا یجھر بھا ومنھم من کان یقنت فی الفجر ومنھم من لا یقنت فی الفجر ومنھم من یتوضأ من الحجامۃ والرعاف والقیٔ ومنھم من لا یتوضأ من ذلک

ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ ممامسته النار ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ من اكل لحم الابل ومنهم من لا يتوضأ من ذلك مع هذا فكان بعضهم يصلى خلف بعض مثل ما كان ابو حنيفةؒ و اصحابه و الشافعي وغيرهم يصلّون خلف ائمة المدنية من المالكية وغيرهم و ان كانوا ولايقرؤن البسملة لا سراً لاجهراً۔ (الانصاف ص ۹۰ وهكذا في فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۵۹۲)

بلکہ اسی طرح صاحب مذہب امام الائمۃ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ حج کے دوران ائمہ حرمین کی اقتداء میں نمازیں پڑھا کرتے تھے حالانکہ ائمہ حرمین فروغی مسائل میں امام صاحبؒ کے مخالف تھے۔ علامہ بنوریؒ نے لکھا ہے۔ وهذا إمامنا ابو حنيفةؒ صاحب المذهب حج خمسين حجة وقيل خمساً وخمسين وكان كثير من اهل الحرمين مخالفين له في الفروع فكان يصلي خلفهم ولم يثبت في ذلك نكير عنه ولا تخلف عن الاقتداء بهم (معارف السنن ۱/۱۶۱، ۱۶۲)

اسی طرح قاضی القضاء قاضی ابو یوسفؒ امیر المؤمنین ہارون الرشید کی اقتداء نمازیں پڑھا کرتے تھے حالانکہ ہارون الرشید امام مالکؒ کے فتویٰ پر عمل کرتا تھا اور فروعی مسائل میں حنفیہ کثر اللہ سوادھم کے خلاف تھے۔

هذا القاضي ابو يوسف صلّى خلف هارون الرشيد وكان هارون الرشيد احتجم وكان الامام مالك افتى هارون الرشيد بعدم الفساد به وكان مذهب ابي يوسف ضد ذلك (معارف السنن ۱/۱۶۲) علامہ ابن تیمیہؒ مزید وضاحت کے ساتھ اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صلّى ابو يوسف خلف الرشيد وقد احتجم و افتاه مالك بانه لايتوضا فصلى خلفه ابو يوسف ولم يعد (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۵۹۲)

بلکہ امام ابو یوسفؒ نے ایک موقعہ پر جمعہ کی پڑھائی بعد میں پتہ چلا کہ جس کنویں کے پانی سے وضو کیا گیا ہے، اس میں مردہ چوہا تھا تو آپؒ نے نماز کے اعادہ کے حکم کے بجائے فرمایا کہ ہم اپنے اہل مدینہ بھائیوں یعنی مالکیہ کے قول کو لیتے ہیں۔ كما في البزازية عن الامام الثاني وهو ابو يوسف أنّه صلّى يوم الجمعة مغتسلا من الحمام صلّى بالناس وتفرقوا ثم اخبر بوجود فارة ميتة في بير الحمام فقال اذا ناخذ بقول اخواننا من اهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا (بحوالہ الانصاف ص ۹۱)

حالانکہ فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کے اعتبار سے اس کنویں کا پانی نجس ہے اور ناپاک پانی سے طہارت حاصل نہیں ہوتی اور اگر کسی نے اس قسم کے پانی سے وضوء کیا ہو تو اس پر اعادۃ نماز واجب ہے، مگر امام ابو یوسفؒ نے خود مالکیۃ کے قول کو اختیار کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر آپؒ کی جگہ کوئی مالکی امام نماز پڑھاتے تو اس کی اقتداء میں سب مقتدیوں کی نماز درست ہوتی۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ بھی مخالف مذہب امام کی اقتداء نماز پڑھانے کو جائز سمجھتے تھے چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے وکان احمد بن حنبل یری الوضوء من الحجامة والرعاف فقیل له فان کان الامام قد خرج منه الدم ولم یتوضأ أتصلّی خلفه؟ فقال کیف لااصلی خلف سعید بن المسیب ومالک (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۵۹۳ وھکذا فی الانصاف ص ۹۱ للامام ولی اللہ الدھلوی) اور علامہ ابن قدامہؒ المغنی کے باب الامامۃ میں اسی کو ترجیح دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ

فاما المخالفون فی الفروع کاصحاب ابی حنیفة ومالک والشافعی رحمهم الله تعالیٰ فالصلاة خلفهم صحیحة غیر مکروهة نصّ علیه احمدُ لان الصحابة والتابعین ومن بعدهم لم یزل بعضهم یأتم ببعض مع اختلافهم فی الفروع فکان ذلک اجماعاً ولان المخالف امایکون مصیباً فله اجران او مخطئا فله اجر ولااثم علیه فی الخطأ (بحواله حاشیه البنایة للشیخ فیض احمد ۳/۴۰)

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کو جمہور اسلاف اور مذاہب اربعہ کے ائمہ کا قول قرار دیا ہے۔

تصح صلاة المأموم وهو قول جمهور السلف وهو قول مالک وهو القول الآخر فی مذهب الشافعی واحمد بل وابی حنیفة واکثر نصوص احمد علی هذا وهذا الصواب (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۵۹۳)

فقہاء احناف کے مشہور فقیہ، محدث اور مفسر امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفیؒ کے فرمان سے بھی وضاحت کے ساتھ یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آپؒ شافعی امام کی اقتداء میں وتر کو جائز سمجھتے ہیں۔ یجوز اقتداء الحنفی بمن یسلّم علی الرکعتین فی الوتر ویصلّی معه بقیة الوتر لانّ امامه لایخرج بسلامه عنده لأنه مجتهد فیه کما لو اقتدیٰ امام قد رعف وهو یعتقد أن طهارته باقیة لأنّه مجتهد فیه فطهارته باقیة فی حقه (البنایۃ شرح الھدایۃ ۳/۴۱) اور اسی ترجیح کو علامہ ابن وھبانؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں نعم لو اقتدیٰ حنفی بشافعی فی الوتر وسلّم ذلک الشافعی الامام علی الشفع الأول علی وفق مذهبه ثم أتم الوتر صحّ وتر الحنفی عند أبی بکر الرازی وابن وهبان وفیه یقول ابن هبان

فی منظومته۔

ولو حنفی قام خلف مسلم　لشفع ولم یتبع وتمّ فمؤتر　(معارف السنن ۴/ ۱۷۰)

اور اس رائے کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے عن النبی ﷺ انّه قال یصلّون لکم فان اصابو فلکم ولهم و ان اخطئو افلکم و علیهم (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/ ۵۹۳) کہ نماز میں امام کی رائے کا اعتبار ہے ماٗ موم کی رائے معتبر نہیں اور روایت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں فقد بیّن ﷺ أنّ خطأ الامام لا یتعدّیٰ إلی المأموم ولأنّ المأموم یعتقد أن ما فعله سائغ له و أنّه لا اثم علیه فیما فعل فانّه مجتهد او مقلد مجتهد وهو یعلم أن هذا قد غفر الله له خطأ فهو یعتقد صحة صلاته و أنّه لا یأثم اذا لم یعدها بل لو حکم بمثل هذا لم یجزله نقص حکمة بل کان ینفذه و اذا کان الامام قد فعل باجتهاده فلا یکلف الله نفسا إلاوسعها و المأموم قد فعل ماوجب علیه کانت صلاة کل منهما صحیحة و کان کل منهما قد أدیٰ مایجب علیه و قد حصلت موافقة الامام فی الافعال الظاهرة (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/ ۵۹۳، ۵۹۴)

اسی طرح اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اپنے بساط کے مطابق شرعی احکام کا مکلّف ٹھہرایا ہے لا یکلّف الله نفساً الا وسعها (الایة) کہیں بھی ایک پر دوسرے کا بوجھ نہیں ڈالا، لقوله تعالیٰ وتزرو وازرۃ وزر اخریٰ (الایة) تو اجتہاد اور فروعی احکام میں بھی ہر امام اپنی بساط علمی کے مطابق شرعی احکام کا مکلّف ہے اور ہر ایک نے بضاعت علم کو بروئے کار لا کر اپنی رائے یا اپنے مسلک کے امام کی رائے پر عمل کیا ہے اور مقتدی اپنی رائے یا اپنے مسلک کے امام کی رائے پر عمل کر رہا ہے، اور فروعی احکام میں اختلاف کیلئے اصول یہ ہے کہ ہر امام کا قول اور رائے خطاً اور صواب دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کی رائے کو کلیۃً خطاً اور غلط نہیں کہہ سکتا۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے اذا اسئلنا عن مذهبنا و مذهب مخالفنا قلنا وجوباً مذهبنا صواب یحتمل الخطأ مذهب مخالفنا خطأ یحتمل الصواب۔ (مقدمہ ردالمحتار ۱/ ۴۸) اسلئے کہ ہمارے فقہی احکام چار طرح کے ہیں:

(۱)　بعض وہ مسائل ہیں جو نصوص (قرآن وسنت) سے بلا کسی تعارض اور اختلاف کے ثابت ہیں جیسے نماز کی فرضیت، حج کی ادائیگی کا حکم، روزہ اور زکوۃ وغیرہ کی فرضیت، اس قسم احکام میں کسی بھی امام کا کوئی اختلاف نہیں ہر مسلک میں اس قسم کے احکام ایک ہی طرح کے ہیں۔

(۲)　دوسرے وہ احکام و مسائل ہیں جو نصوص (قرآن وسنت) سے ثابت ہیں لیکن نصوص میں تعارض

اور اختلاف پایا جاتا ہے جس میں ایک مجتہد کسی ایک نص کو ترجیح دے کر مسئلہ بیان کرتا ہے تو دوسرا مجتہد دوسرے نص کو ترجیح دے کر مسئلہ بیان کرتا ہے جیسے رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کا مسئلہ، جماعت کے ساتھ نماز میں امام کے پیچھے قرأۃ کا مسئلہ، نماز امین بالجھر کا مسئلہ، مس ذکر اور مس المرأۃ سے وجوب وضو اور عدم وجوب کا مسئلہ وغیرہ۔ اس قسم کے مسائل میں دونوں طرح کے نصوص پائے جاتے ہیں اسلئے اب دونوں مجتہدین کے اقوال نصوص شرعی کے مطابق ہیں کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کے قول کو غلط نہیں کہہ سکتا اور ہر مجتہد عامل بالنص ہے، اور جس نص پر بھی عمل کیا جائے وہ صواب اور صحیح ہے۔

(۳)　تیسرے قسم کے وہ مسائل ہیں جو نصوص غیر متعارض سے ثابت ہیں مگر نص نے انکو ایسے الفاظ سے بیان کیا ہے جو مختلف معانی کا احتمال رکھتے ہیں اور وہ معانی کبھی از قبیل اضداد (ایک دوسرے کے مخالف) ہوتے ہیں تو مجتہدان مختلف معانی میں کسی ایک معنی کو ترجیح دے کر مسئلہ بیان کرتا ہے جیسے مطلقہ عورت کی عدت کا مسئلہ ہے امام ابوحنیفہؒ عدت بالحیض کا قول فرماتے ہیں اور اس معنی کو مختلف دلائل اور وجوہات سے ترجیح دیتے ہیں اور امام شافعی عدت بالاطہار کی رائے رکھتے ہیں اور دونوں ائمہ کرام قرآن کریم کی آیت یتربصن ثلاثة قروء (الایة) سے استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ قروء ایسا لفظ ہے۔ جو حیض اور طہر دونوں متضاد معانی کا احتمال رکھتا ہے، لہذا ان دونوں آراء میں سے کسی بھی رائے کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔

(۴)　چوتھے قسم کے مسائل وہ ہیں جن کا نصوص میں صراحتاً ذکر نہیں ہے بلکہ ان مسائل کو قیاس واجتہاد کے ذریعے حل کیا جاتا ہے، اور یہ بات مسلّم ہے کہ ہر مجتہد بلکہ ہر شخص کی سوچ اور رائے یکساں نہیں ہوتی، ہر شخص کسی بھی مسئلہ کے حل کے بارے میں اپنے ہی دماغی زاویئے سے سوچتا ہے اور اسی فطری طریقہ عمل کی وجہ سے نتیجتاً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے مگر کوئی شخص یا مجتہد دوسرا شخص یا مجتہد کی رائے کو خطا اور غلط نہیں کہہ سکتا بلکہ ان آراء میں ہر ایک کی رائے صواب اور خطا کا احتمال رکھتا ہے جن کا ظاہری وزن برابری کا ہے۔ اسلئے امام شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے:

من هذا الباب بان الصحابة مختلفون وانهم جميعا على الهدىٰ ولذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوىٰ المفتين في المسائل الاجتهادية ويسلمون قضاء القضاة ويعملون في بعض الاحيان بخلاف مذهبهم ولذا الترىٰ ائمة المذاهب في هذه المواضع الاوهم يصححون القول ويثبتون الخلاف بقول احدهم هذا احوط وهذا هو المختار وهذا احبّ إلىّ　(الانصاف ص۸۹)

اور اسی وجہ سے ہر مجتہد اپنے اس اجتہاد میں اجر وثواب کا مستحق ہے کما قال النبی ﷺ اذا حكم الحاكم فاجتهد واصاب وله اجران وان اخطأ فله اجر واحد　(الحدیث) (صحیح بخاری

۲/) مگر یاد رہے کہ حدیث میں ذکر کیے گئے الفاظ خطأ وصواب کا تعلق عند اللہ سے ہے اسلئے کہ ختم نبوت کی وجہ سے کوئی بھی بشر اس صواب وخطأ پر مطلع نہیں ہوسکتا۔

تو جب مسائل اختلافیہ میں ہر رائے اور قول صواب کا متحمل ہے تو نفس الامر میں امام اور مقتدی دونوں برابر ہوئے مثلاً نماز کی ادائیگی کے لئے طہارت متفق علیہ شرط ہے البتہ انقطاع طہارت کے اسباب میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً نکسیر کو بعض فقہاء کرام منقطع الطھارۃ قرار دیتے ہیں اور بعض اس کو منقطع الطہارت قرار نہیں دیتے لہذا اگر امام اجتہاداً یا تقلیداً نکسیر کو منقطع الطہارت قرار نہیں دیتا ہے اور نماز میں اسکی نکسیر ٹوٹ جائے، تو وہ اپنی رائے یا مذہب میں طہارت کی صفت سے متصف ہے۔ اور یہی طہارت نماز کی ادائیگی کیلئے شرط ہے، لہذا امام بھی طاہر اور مقتدی بھی طاہر تو دونوں نفس الامر میں یکساں ہونے کی وجہ برابر ہیں اسلئے دونوں کیلئے ایک دوسرے کی اقتداء درست اور صحیح ہیں۔

اسکے علاوہ اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صلوا خلف کل بر و فاجر (الحدیث) کہ ہر نیک و بد کی اقتداء میں نماز پڑھا کرو۔ اس روایت میں مقتدی اور امام دونوں کا ایک مسلک اور ایک مذہب ہونے کی کوئی قید نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے اتنی وسعت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان فرمایا کہ ہر ایک کے لئے مطلقاً مسلمان شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز قرار دیا، چاہئے وہ امام حنفی ہو یا شافعی یا کسی بھی مسلک کے ساتھ وابستہ ہو، بر ہو یا فاجر مگر مسلمان ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور یہی اھل السنۃ والجماعۃ کے دس علامات میں سے ایک علامت بھی ہے کہ وھو یصلی خلف کل امام برا و فاجر (البحر الرائق ۸/۳۳۲)

اور صاحب بحر علامہ ابن نجیمؒ مزید لکھتے ہیں: وذکر افتراق الادیان بالاھواء فمن کان من اھل الاسلام فالصلاۃ خلفہ جائزۃ وان کان یعلم الکبائر واھل الاھواء علی ضربین منھم من یخرج عن الاسلام ومنھم من لایخرج فمن خرج عن الاسلام لاتجوز الصلاۃ خلفہ (البحر الرائق ۸/۳۳٤) اور اسی طرح یہ بات بھی مسلّم ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ والوں کے تمام مذاہب حق ہیں اور انکی اتباع آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے تو پھر عدم جواز یا جواز مع الشرائط کی کوئی خاص وجہ باقی نہ رہی، اسلئے علامہ عبدالعلی بحر العلومؒ نے اسی پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے۔ یجوز اقتداء التابع لمجتھد التابع لمجتھد آخر کالحنفی للشافعی وبالعکس وھذا باجماع من یعتد باجماعھم لان العمل بکل مذھب حق ومنج فی الآخرۃ فلاوجہ لمنع الاقتداء (رسائل الارکان ص۱۰۷) اسلئے حرمین شریفین ذادھما اللہ شرفاً میں ائمہ حرمین کی اقتداء میں جملہ نمازیں بلا کسی شرط اور بلا کسی کراہت جائز ہیں۔ اور یہ تخصص صرف حرمین کے ساتھ نہیں بلکہ ہر جگہ اور ہر ملک میں ایک مسلک کے امام کی اقتداء میں دوسرے مسلک کے مقلدین کی نماز جائز ہے۔ ھذا ماظھرلی واللہ اعلم بالصواب